ہمارے غوری صاحب!

غوری صاحب سے میرا تعلق اسی وقت قائم ہو گیا، جب وہ ''المورد'' سے وابستہ ہوئے۔ ہمارے غوری صاحب تھے ہی ایسے کہ پہلی ہی ملاقات میں ان سے گہرا تعلق بن جاتا تھا۔ شروع شروع میں ان سے تکلف تھا، مگر چند دنوں ہی میں قربت اور بے تکلفی ہو گئی۔ یہ قربت اور بے تکلفی رفتہ رفتہ پدرانہ شفقت میں تبدیل ہو گئی اور پھر وہ وقت بھی آیا جب مجھے ان کے گھر میں رہنے کا موقع ملا۔ میرا معمول تھا کہ میں شام کو دفتر سے چھٹی کے بعد بی سی ایس کی کلاسیں لینے کے لیے ایک کالج میں جاتا تھا اور پھر وہاں سے فارغ ہو کر گھر کے لیے روانہ ہوتا تھا۔ گھر بہت دور تھا، اس لیے پہنچتے پہنچتے اکثر رات ہو جاتی تھی۔ جب غوری صاحب کے سامنے یہ صورت حال آئی تو انھوں نے بڑی محبت سے مجھے اپنے گھر رہنے کی پیشکش کی۔ پیشکش پر خلوص تھی اور میں مشکل میں تھا، اس لیے میں نے اسے فوراً قبول کر لیا اور اگلے ہی دن ان کے ہاں منتقل ہو گیا۔ میں وہاں کئی مہینے رہا۔ کسی ایک بھی دن ایسا محسوس نہیں ہوا کہ میں اپنے گھر میں نہیں ہوں۔ میری ضرورت تو صرف رہایش تھی، مگر غوری صاحب کی شفقت اور محبت کا یہ عالم تھا کہ ان کی ہمیشہ یہی کوشش ہوتی تھی کہ میں کھانا بھی ان کے ہاں کھاؤں۔

وہ وقت آج بھی میری یادوں کا حسین ترین سرمایہ ہے۔ ان دنوں، غوری صاحب کی رہایش ای بلاک دفتر کے بالکل ساتھ تھی۔ یہ چار کمروں کا گھر تھا، دو کمرے نیچے اور دو اوپر تھے۔ نیچے کے ایک کمرے میں ان کی لائبریری تھی، اور دوسرا کمرا ان کا اور ماں جی کا تھا، جبکہ اوپر کے دونوں کمرے ان کے بیٹوں عثمان، احسان اور ذیشان کے استعمال میں تھے۔ میں بچوں کے ساتھ اوپر کے حصے میں رہتا تھا۔ احسان کے ساتھ زیادہ تر علمی گفتگو ہوتی، عثمان کے ساتھ لڈو کی بازیاں لگتیں اور ذیشان کے ساتھ عشا کے بعد ڈی بلاک کی واک ہوتی۔ ہم عمر اور بے پناہ بے تکلف ہونے کی

وجہ سے کبھی کبھی ہمارا جھگڑا بھی ہو جاتا تھا۔ بول چال بھی بند ہو جاتی کہ ایک دوسرے کے لطیفوں پر ہنسنا چھوڑ دیتے تھے۔ یہ کیفیت دو چار دن جاری رہتی کہ پھر سیڑھیاں چڑھتے اترتے راستہ نہ دینے پر یا کندھا ٹکرا جانے پر نہ صرف اس وقت ہنس پڑتے، بلکہ جن لطیفوں پر ہنسی روکی گئی ہوتی، ان پر بھی دل کھول کر ہنستے۔ ہماری لڑائیوں اور جملہ بازیوں پر نہ کبھی غوری صاحب نے ناراضی کا اظہار کیا اور نہ ماں جی نے۔ سچی بات ہے کہ غوری صاحب اور ماں جی کی شفقت اور عثمان، احسان اور ذیشان کی برادرانہ دوستی میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔

غوری صاحب طبعاً بہت حساس تھے۔ ماں جی کی اچانک وفات سے غوری صاحب کو گہرا صدمہ ہوا تھا۔ بہت عرصہ تک وہ اس صدمے کی کیفیت میں رہے۔ ماں جی کا ذکر شروع کرتے تو بہت دیر تک ان کی باتیں بتاتے۔ واقعات سناتے جاتے اور وقفے وقفے سے مجھے کہتے: ''معظم تیری آنٹی نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ مجھے اکیلا چھوڑ گئی۔'' ایک بار میں نے جنت میں ستر حوروں کے حوالے سے سوال کیا تو کہنے لگے کہ ایک تحقیق یہ ہے کہ وہ ستر حوریں اصل میں بیوی ہی کے ستر روپ ہوں گے۔ جس بیوی نے ہمارے ساتھ وقت گزارا ہوتا ہے تو مختلف وقتوں میں اس کے مختلف روپ سامنے آتے ہیں اور اس کے بہت سے روپ آپ کو اچھے لگتے ہیں، لہٰذا جنت میں اس کے بہت سارے روپ بہ یک وقت مل جائیں گے۔ بعد میں کہنے لگے: پتا نہیں یہ تحقیق صحیح ہے یا نہیں، لیکن میری خواہش ہے کہ مجھے اپنی ہی بیوی کے ستر روپ مل جائیں۔

میں ایک دن دفتر میں چھٹی کے بعد بیٹھا کام کر رہا تھا کہ مجھے دیکھ کر اندر آ گئے۔ کچھ دیر باتیں ہوئیں، نکلتے ہوئے میں نے کہا کہ بڑا عرصہ ہوا آپ نے اپنی پسند کا کوئی گانا نہیں سنایا۔ انھوں نے پنجابی کا ایک گیت گنگنانا شروع کیا۔ میں اپنے کیبن سے چابیاں اٹھانے گیا تو وہ ایک مصرعے کے بعد خاموش ہو گئے۔ میں نے خیال کیا کہ شاید میرے انتظار میں روک دیا۔ میں جلدی سے باہر آیا تو دیکھا کہ آنکھوں سے آنسو رواں ہیں جنھیں ضبط کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں پریشان ہو گیا تو کہنے لگے کہ یہ گانا میرے حسب حال ہے۔ اس میں بھی محبوب بے وفائی کر کے چھوڑ گیا۔ پھر بہت دیر تک ماں جی کی باتیں سناتے رہے۔

جب میری شادی ہوئی تو میں لنچ بریک میں غوری صاحب کے کمرے میں چلا جاتا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ زور سے نعرہ لگاتے: ''نوم العروس'' (دولہے کی نیند) اور مجھے تھوڑی دیر ستانے کے لیے تکیہ نما کشن دے دیتے۔ جتنے دن یہ سلسلہ رہا، غوری صاحب شادی شدہ زندگی پر زبردست لطیفے سناتے اور ساتھ میں نمکو، بسکٹ یا ڈرائی فروٹ سے تواضع کرتے۔

چھٹی کے بعد میں اکثر ان کے کمرے میں چلا جاتا۔ وہ اگر کام کر رہے ہوتے تو مجھے کوئی کتاب دے کر کہتے کہ

اس کو پڑھو اور مجھے بھی بتانا کہ اس میں کیا ہے۔ اگر آرام کر رہے ہوتے تو اپنے علمی کام، کسی نئی تحقیق، اپنی کسی کتاب یا اس پر شائع ہونے والے کسی تبصرے کے بارے میں بتاتے۔

بعض موقعوں پر میں نے ''اشراق'' کے لیے مضمون لکھے۔ انھیں شائع ہونے سے پہلے میں غوری صاحب کو ضرور دکھاتا۔ وہ بہت توجہ سے پڑھتے۔ نفس مضمون پر بھی تبصرہ کرتے اور جملوں کی ساخت اور پروف کی غلطیوں کی بھی نشان دہی کرتے اور فن تحریر کی خوبیوں اور خامیوں کے حوالے سے بھی سمجھاتے۔

انھوں نے میرے بڑے بیٹے کا نام ''محمد'' رکھا، جس کے ساتھ میں نے ''معز'' کا اضافہ کیا، کیونکہ فیملی کے بعض لوگ تقدس کی وجہ سے محمد کا نام پکارنے میں مشکل محسوس کر رہے تھے۔ اولاد کی اچھی تربیت کے حوالے سے ایک بار میں نے ان سے پوچھا تو کہنے لگے: جو رویہ ان سے چاہتے ہو، خود ان کو کر کے دکھاؤ۔ غلط کام پر ڈانٹ کے معاملے میں کوئی لحاظ نہ رکھو اور اگر ان کی ماں ان پر غصہ ہو تو انھیں توجہ دلاؤ کہ تم نے کیا غلط کام کیا جس کی وجہ سے وہ ناراض ہیں۔

غوری صاحب مجھ سے جس قدر محبت کرتے، اسی قدر اعتماد بھی کرتے تھے۔ ایک بار ذیشان کسی بات پر ناراض ہو کر گھر سے باہر چلا گیا، غوری صاحب تیزی سے اوپر آئے اور مجھ سے کہا کہ اسے بلا کر لاؤ اور سمجھاؤ۔ اسی طرح ایک بار غوری صاحب اور ماں جی کو کہیں جانا تھا، ان دنوں آپ کا ۱۰ سال کا پوتا سعد ان کے پاس رہتا تھا۔ غوری صاحب نے اس خیال سے کہ سفر دور کا ہے اور سعد تھک جائے گا اور گھر میں اس کو کھانے کی تنگی ہوگی، انھوں نے مجھ سے کہا کہ اسے چند دن کے لیے اپنے گھر لے جاؤ۔

غوری صاحب بیک وقت میرے استاد بھی تھے، بے تکلف دوست بھی تھے اور میری خیر خواہی اور خیال رکھنے میں باپ کی حیثیت بھی رکھتے تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ''المورد'' کے تمام لوگوں کے ساتھ ان کا ایسا ہی تعلق تھا۔ وہ سب کے خیر خواہ، بے تکلف دوست، گرم جوش میزبان اور بے لوث مددگار تھے۔

میں نے انھیں طویل عرصہ تک دیکھا ہے اور بہت قریب سے دیکھا ہے۔ وہ بہت اصول پسند، محبت کرنے والے، صالح طبیعت اور بنیادی طور پر نیک انسان تھے۔ ان میں خامیاں بھی ہوں گی، کمزوریاں بھی ہوں گی اور ان سے جانے انجانے میں زیادتیاں بھی ہوئی ہوں گی، میں اللہ سے ان کی لغزشوں اور خطاؤں کی معافی کا خواست گار ہوں اور جنت میں ان کے لیے اعلیٰ مقام کے لیے دعا گو ہوں۔

—— رانا معظم صفدر

(سابق معاون مدیر، ماہنامہ اشراق)